وہ شہر بے مثال ہے۔ "اندرون لاہور۔۔۔ موچی دروازہ۔۔۔ محلہ سیداں۔۔۔ نیلی گلی۔۔۔ اندھیر گلی۔۔۔ ذرا سا بادل چھا جائیں تو ایسا لگے کہ زمین پر کبھی روشنی کی کرنیں اتری ہی نہیں۔

بہار کبھی برسی ہی نہیں۔۔۔ پھول' پودے' درخت۔۔۔ رنگ' خوشبو کبھی مہکے ہی نہیں۔

اسی نیلی گلی کے پہلے گھر کی گھٹا میں بادل تو کبھی برسا ہی نہیں۔ دھوپ تو کبھی چمکی ہی نہیں۔۔۔ جاڑا ٹھٹھرا گیا۔ نرم گرم تو کبھی ہوا ہی نہیں۔۔۔ نیلی گلی کا یہ پہلا کنارے والا گھر میدے کا ہے۔ میدے کی بیوی کا ہے۔۔۔ دونوں میاں' بیوی کے گیارہ بچوں کا ہے۔۔۔

انگلیوں پر کئی کئی بار گن کر سوئی تھیں۔ ویسے تو وہ اب حساب میں اتنی تیز ہو چکی تھیں کہ کھڑے کھڑے کئی سو جوڑوں کا حساب لگا کر کئی گاہک بھگتا کر انگلوں کا انتظار کرنے لگتیں' پر انہیں یہ حساب کتاب کرنے کروانے میں مزا بہت آتا تھا۔ اس حساب کا حاصل جمع انہیں بڑی مسرت دیتا تھا۔ اس حاصل جمع سے وہ شاہ عالمی' انار کلی بازار جا جا کر کئی سو مسرتیں خریدیں۔۔۔ تو اتنا مسرت آمیز کام کوئی بار بار کیوں نہ کرے۔

جمیل اتنی بار لکھ لکھ کر تھک چکا تھا۔ "اماں بس بھی کرو۔۔۔ روز لکھوانے بیٹھ جاتی ہو۔۔۔ کب آئے گی تھانے دارنی۔"

"تجھے دو لفظ لکھتے موت پڑتی ہے۔ اسے دیکھ اپنے

سمیرا حمید

دال الحسن

اور۔۔۔ اور۔۔۔ جمال۔۔۔ ہاں جمالے کا بھی تو۔۔۔ اسے بھی یہیں کہیں ادھر ادھر ہونا تو چاہیے 'اسی گھر میں' زندوں میں' گیارہ بچوں میں ہی 'یہیں کہیں ہی' ہاں' ہاں وہ اسی گھر میں ہے۔ زندوں میں ہی ہے۔ اور۔۔۔ اور۔۔۔ خیر۔

ہاں تو میدے کی بیوی گیارہ بچوں کی اماں پانچویں میں پڑھنے والے سب سے چھوٹے جمیل کو پاس بٹھائے کوئی گیارہویں بار بول بول کر حساب لکھوا رہی تھیں۔ ماڈل ٹاؤن میں رہنے والی تھانے دارنی کے بڑے بیٹے کی شادی کے پورے دو کم پچاس سوٹ سل کر گئے تھے۔ اماں نے انچ انچ کا حساب لکھوایا تھا۔ راتوں کو

بھائی کو' وہ سی کا کم نہیں تھکتا۔" اماں نے حسب عادت پیشانی سے بالوں کا گچھا پکڑ کر مروڑا۔

جمیل نے سر جھٹکا۔ "انسان ہیں ہم۔۔۔ جن وِن نہیں۔"

"ایک وقت میں پانچ پانچ کلچے کھا جاتا ہے۔ تب بھی تو انسان ہی ہوتا ہے نا۔"

"وہ پدے پدے سے کلچے۔۔۔ تیرا ڈر نہ ہو اماں تو دس کھا جاؤں۔"

"مجھے تو تجھ سے ڈر لگتا ہے کہ ہمیں ہی نہ کھا جائے۔۔۔ چل لکھ۔"

"لکھ تو لیا سب۔"

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

"چل اب جمع کر۔"

اس نے جمع کیا۔۔۔ دس بار کر چکا تھا اماں اپنی انگلیوں پر پھر سے کوئی ہزارویں بار جمع کر رہی تھیں۔ کاپی اماں کی گود میں پٹخ کر' چلا کر حاصل جمع بتاتا جمیل بھاگ گیا۔

"منحوس مارے نے تیس روپے کی غلطی کی۔ دس بار کروایا' پر کبھی سو چھوڑ دیتا ہے' کبھی پچاس۔۔۔ ہزار بار کہا ہے' اتنا چلا کر مت بتایا کر' میرے کان میں بتایا کر۔ نظریں لگی رہتی ہیں سب کی میرے گھر۔ کھا جائیں گی نظریں ہمیں۔ میڈ میں یہاں کا رستہ بھول جائیں گی۔ جتنا لوگ سال میں نہیں کماتے' میرا جمالا مہینے میں کما لیتا ہے۔ پر یہ میرے کم بخت مارے بچے۔ کھلا کھلا کر میں نے ہی ان کی عقلوں پر چربی چڑھا دی۔ سنڈے مسٹنڈے بھوکوں مریں تو عقل پکڑے کہ دو نوالے بھی کھاؤ چھپا کے۔۔۔ روکے کہ ہمارے پاس تو کچھ ہے ہی نہیں' تبھی دنیا کی نظروں سے بچے گا کچھ۔"

تھانے دارنی سر بہت کھاتی تھی۔ اسی لیے اماں نے ذرا دفتری طرز کی فہرست بنوالی تھی۔ ایک ایک سوٹ کے آگے رقم لکھی تھی۔ لہنگے کے ہوئے پینتالیس سو دو ساڑھیاں بارہ بارہ سو' چوبیس سو' دو ہزار چار سو' ہاں' تین شرارے' چھ عدد انارکلی' آٹھ ہاتھی کان کے سے پاجامے' تنگ قمیصیں' کھڑے پاجامے' لنگی شلوارس' انگرکھے' کشمیری طرز کی پشوازیں' کچھ میگزین کے فیشنی کپڑے' دو کم پچاس۔

ابھی تھانے دارنی نے آکر اس میں کٹوتی کروانی تھی۔ چخ چخ کرنی تھی۔ تھانے دارنی ہو گی تو اپنے گھر' اماں تو پورا تھانہ کھول کر بیٹھ جانے والوں میں سے تھیں۔

میں نے کہا تھا لہنگے کا پچیس دوں گی۔ کہا تھا کہ نہیں' زمرد جڑی پستول مار کہ انگلی اٹھا کر تھانے دارنی نے دبنگ کہا۔

"میں نے بھی کہہ دیا تھا پینتالیس سے ایک روپیہ کم نہیں لوں گی۔" اماں پستول مار کہ سے ذرا نہ دبکیں "اچھا چلیں یہ بتائیں آپ کی لندن والی بہو نے کسی دھاگے سلائی کی شکایت کی ہو؟ ہوئی اسے خبر کہ لہنگا ڈیفنس گلبرگ سے دس پندرہ ہزار میں نہیں اندرونی شہر سے اپنے جمالے سے صرف پینتالیس سو میں سلا ہے۔ سنا ہے لندن والیاں اتنے کی تو وہ لمبی لمبی باریک جرابیں خرید کر پہنتی ہیں۔"

تھانے دارنی باریک پتلی لمبی جرابوں کے ذکر پر بہت جز بز ہوئی۔ بھلے سے کانوں سے دھواں نکالتی اماں نے کرنی اپنی ہی تھی۔ کل میں سے صرف دو سو ہی کم کیے۔ ڈھائی تین گھنٹے بحث چلتی رہی۔ آخری دھمکی کام کر گئی۔

"جناب جی ابھی تو سرکار نے ایک ہی بیٹے کی ہے خیر سے دو بیٹے اور ایک بیٹی بیاہنے کو ہیں' ڈیفنس گلبرگ سے سلوا کر شوق پورا کر لیجئے گا۔ اتنے میں تو وہ چھ سات سوٹ سی ہی دیں گے۔"

دو بیٹوں اور ایک بیٹی کو بیاہنے کے لیے تھانے دارنی پیسے پکڑا گئی۔ انٹرنیٹ سے تصویر ڈاؤن لوڈ کر کے اس کی بیٹی جمالے کو دکھا کر سمجھا گئی تھی۔ صرف اسی ٹیل ساڑھی کے گلبرگ والے نو ہزار مانگ رہے تھے۔ تو پھر جمال زندہ باد' اماں نے ہزار ہزار کے کئی نوٹ گنے' بار بار گنے۔ ہاں اتنے ہی تھے جتنا راتوں کو اٹھ اٹھ کر حساب لگایا تھا۔ وہی حاصل جمع تھا۔ وہی تھا سب کا سب۔ رکشہ کروایا اور رابعہ کا جہیز لینے شاہ عالمی آگئیں اماں۔ قسم قسم کے برتن لیے۔ یہ بڑی بڑی میڈموں ٹائپ کی دکانوں میں گئیں۔ سات ہزار کا تو صرف اماں نے وہ چمچہ سیٹ لیا جس کے کنارے سنہری تھے اور جن میں مرتے دم تک آئینے سی شفاف صورت نظر آنے والی تھی۔ یہ سیٹ دنیا سے ناپید ہی نہ ہو جائے۔ اماں نے جھٹ سے لے لیا۔ ہاں آتے ہوئے ریڑھی سے وہ پندرہ روپے کی ریوڑی لینا نہیں بھولیں۔ جمالے کو پسند تھی نا ریوڑی۔۔۔ کھاتا جاتا سلائی کرتا جاتا۔ ختم ہو جاتیں تو بھی سلائی کرتا جاتا' بھوکا ہوتا تو بھی۔۔۔ بیمار ہوتا تو بھی۔۔۔ خوش ہوتا (جو ہونے کا موقع ملا نہ دیا گیا۔) دکھی ہوتا' افسردہ' بے چین' جی کرتا نہ کرتا وہ

سلائی کیے جاتا' کیے ہی جاتا۔۔۔ جیسے دنیا بھر میں ایک وہی ہے جو سب کو کپڑے سی سی کر پہنا رہا ہے۔۔۔ صرف وہی ایک درزی ہے جہاں بھر میں۔۔۔ اس منصب پر صرف اسے ہی فائز کر دیا گیا ہے۔

پیارا جمال۔۔۔ زہیب (سونے کا) جمال۔۔۔ روز کئی کئی انڈے دیتا۔۔۔ تھک جاتا تھا اور تھکتا نہیں تھا۔ اوب جاتا تھا۔ پھر بھی لگا رہتا تھا۔

دائیں ٹانگ میں پیدائشی لنگ تھا۔ چھ سال کا تھا۔ دایاں ہاتھ جل گیا۔ اماں نے گھر میں ہی پٹی کر دی۔ دس' پندرہ دن بعد کھولی' ہاتھ مٹھی صورت بند ہو گیا۔ زخم الگ گل سڑ گئے۔ پانچ روپے کی پرچی پر اماں دوا لیتی رہیں۔ مہینوں بعد زخم ٹھیک ہو گیا۔ ہاتھ ویسا ہی مٹھی صورت رہا۔ چاروں انگلیاں زور لگانے سے ذرا سی کھل جاتیں۔ سب نے کہا مزدوری سے تو گیا۔ کسی دکان یا ہوٹل میں رکھوا دو۔"

اماں نے درزی کی دکان پر بٹھا دیا۔ تین سال ایک استاد کے پاس رہا' سلائی کٹائی سیکھ لی۔ اب قینچی اس کے مٹھی بند ہاتھ میں ایسے اڑتی کہ استاد اس کی کٹائی پر فدا ہو' ہو جاتا۔ آستین کی وہ گولائی آتی کہ گاہک عش عش کرنے لگے۔

استاد مر گیا' اس کے بیٹوں نے دکان بیچ دی۔ جمالا خود ہی جا کر انارکلی کی ایک بڑی دکان میں کٹائی کا ٹیسٹ دے آیا۔ بڑے ماسٹر جی حیران رہ گئے۔ اتنا سا چھوکرا اور ایسی استادوں سی کٹائی۔ انارکلی کی اس دکان سے اسٹیج کے سارے بڑے بڑے اداکاروں کے کپڑے سل کر جاتے تھے۔ این سی اے پنجاب یونیورسٹی' کینیرڈ کالج اور ادھر ادھر کے دوسرے اداروں کے تھیٹریکل پروگراموں کے لیے انہی کے پاس آیا جاتا۔ لڑکے' لڑکیاں تصویریں' میگزین آئی فونز' لیپ ٹاپ لیے جمالے کے پاس آجاتے۔ گھنٹوں سر کھاتے پھر منہ مانگے پیسے دے کر جاتے۔

"ہاں' ہاں یہی۔۔۔ ایسا ہی۔۔۔ بائے گاڈ یہ تو اس سے بھی پیارا ہے۔"

ممی ڈیڈی ٹائپ لڑکیاں چلانے لگتیں۔ برگر بچے حیران رہ جاتے۔ "یہ تو روبن ہڈ کے گاؤن سے بھی زیادہ کلاسک ہے۔ تمہیں تو ہالی ووڈ میں ہونا چاہیے۔" بے چارے کچھ زیادہ ہی کہہ جاتے بل پے کرتے ایک نظر نہ دیکھتے کہ کتنے ہزار کا بنا ہے۔ ایسے لڑکے' لڑکیوں کا گروپ آتا تو ماسٹر جی کاؤنٹر کے پیچھے سے ہاتھ کے اشارے سے کہتے۔ "وہاں اس طرف جاؤ۔"

وہ کاؤنٹر کی طرف ہی آئے چلے جاتے۔ "ہمیں ایسے کاسمیٹوز سلوانے ہیں۔" تصویریں اسکیچز آگے رکھتے۔

"ہاں' ہاں سب سل جائے گا۔ وہاں اس کیبن میں چلے جاؤ۔" شیشے کے دروازے کے پار جمالا آٹومیٹک مشین پر کام کر رہا ہوتا۔ سامنے ایک لکڑی کا بینچ رکھا ہوتا۔ وہاں آتے بیٹھتے اور چلے جاتے۔ اگلی بار آکر لے جاتے' ہاؤ واؤ کرتے نہ تھکتے۔

انارکلی کی اس دکان میں جمال کے علاوہ پانچ اور درزی تھے۔ تین کٹنگ ماسٹر' دو لڑکے' بٹن کاج' اوور لاک' استری اور پیکنگ کے لیے' لیکن سب سے مہنگا' پیچیدہ ڈیزائن اسے ہی سلائی کے لیے دیا جاتا۔ وہ ہر نئے ڈیزائن کو جلدی سمجھ جاتا' صفائی سے سی دیتا۔ تھوڑی بہت کمی بیشی ایک' دو بار سلائی سے جاتی رہتی۔ وہ رات دن یہی کام کرتا تھا۔ وہ رات دن اس میں پہلے سے زیادہ ماسٹر ہو رہا تھا۔

اس کے ہاتھ سے نکلا کپڑا ایک انچ کم زیادہ نہ سلتا۔ اس کے ہاتھ کا کٹا کپڑا نو آموز بھی سی لیتا تو اترا اترا پھرتا۔

WWW.READERS.PK
پاکستان ویب اور ریڈرز کی پیشکش
WWW.READERS.PK

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

اسے معلوم ہی نہیں ہوا نہ اس نے معلوم کیا کہ وہ کیسے اس کام میں عروج کی طرف سفر کرنے لگا۔ ماسٹر جی اس سے بہت لگاؤ رکھتے۔ کہتے درویش ہے۔ جمال، چھپا درویش، کبھی کبھار خود انار کا جوس منگوا کر پیتے تو اسے بھی پلا دیتے۔ عیدین پر جہاں دوسروں کو ایک ایک سوٹ اور دو، دو ہزار عیدی ملتی اسے دو سوٹ اور تین ہزار عیدی ملتی، مٹھائی کا دو کلو کا ڈبہ الگ سے۔

وہ سر جھکائے اپنا کام کرتا رہتا، کم ہی نقص نکلتے اس کے کام میں۔۔۔ ساتھ کے درزی کچھ الٹا سیدھا کر دیتے تو وہ بھی وقت نکال کر ٹھیک کر دیتا۔

وہ جمال چوغہ پوش درویش تھا۔

نہ اس کا چوغہ دکھائی دیتا، نہ اس کی درویشی۔ خواتین بنا جھجکے اسے ناپ دے جاتیں۔ جیسے کسی مرد کسی لڑکے کو نہ دے رہی ہوں۔ محراب چھپائے اس برگزیدہ بزرگ کو دے رہی ہوں جو صرف بنی نوع انسان سے محبت کرتا ہے۔ جو سب سے محبت کرتا ہے اور نفرت کو گناہ کبیرہ سمجھتا ہے اور ایسا بھی جو صرف مان لینے کے لیے پیدا ہوا ہو۔ نا سے وہ منکر ہو جانے والا ہو۔

اس کا فن اس وقت عروج پر پہنچا جب ایک خاتون نے آکر کہا کہ وہ ناپ نہیں دیسی کی پرانے کپڑے بیماری کی وجہ سے کھلے ہو گئے ہیں۔ اب اسے اپنے سائز کے کپڑے چاہئیں اور ناپ۔

جمال نے ایک نظر خاتون کو دیکھا اور سر ہلا دیا۔ "سل جائے گا آپ کے ناپ کا، اور سوٹ واقعی خاتون کے ناپ کا تھا۔ خاتون حیران ہوئیں، لیکن ماسٹر جی نہیں۔

"شاباش بچے، تجھ پر خاص خدا کی رحمت ہے۔"

کچھ ایسی آتیں جو بلاوجہ اپنی کیمسٹری چلاتیں۔

ویسٹ انیس کر دو۔

وہ نظر اٹھا کر خاتون یا لڑکی کو دیکھتا۔ "بیس کر دیتا ہوں باجی۔"

"نہیں انیس ٹھیک ہے، مجھے انیس ہی چاہیے۔"

اگلی بار وہی انیس والی قمیض لے آتیں۔ "تم لوگوں کے کاموں میں نہیں بولنا چاہیے۔ اسے بیس ہی کر دو۔ اس کی تو شیپ ہی ٹھیک نہیں لگتی، تم بیس ہی کر دو۔"

تو جو اسے ناپ دے جاتا، اس کے ہاتھ کا سلا لے جاتا، اسے واپس کم ہی آنا پڑتا کہ یہاں سے ٹھیک نہیں، وہاں سے تنگ ہے۔ گلا گہرا ہو گیا۔ کالر بڑا لگ گیا۔ دامن اتنا کھلا، زپ اتنی نمایاں کیوں، یہ سب اس کے ساتھ نہ ہوتا۔

خواتین اس کے ہاتھ کی فٹنگ کی نہیں شیپ کی دیوانی تھیں۔ وہ لباس نہیں آرائش سلائی کرتا تھا۔ مصور کے ہاتھ کی طرح بناتا نہیں تخلیق کرتا تھا۔

پروفیسروں، ڈاکٹروں، آرمی آفیسروں کی بیگمات کے کپڑے صرف جمالے کو دیے جاتے۔ جمالے سے پوچھ کر انہیں وقت دیا جاتا۔

"ہاں بھئی جمالے! میڈم ادریس چار سوٹ لائی ہیں، سادی شلوار قمیصیں ہیں، کیا وقت دوں واپسی کا۔"

"ہفتے بعد کا ماسٹر جی۔"

"دو تو تیرے پاس میڈم نرگس کے لہنگے ہی ہیں۔ تین ٹیل گاؤن۔۔۔ تو ہفتے بعد کا کہہ رہا ہے۔"

"ہو جائے گا ماسٹر جی۔"

ماسٹر جی دس دن بعد کا کہہ دیتے، لیکن جمالے کے کے مطابق کپڑے پہلے ہی تیار ہوتے۔

وہ اتنی کامل توجہ سے کام کرتا جیسے وقت کامل توجہ سے گزرتا ہے نہ ایک گھڑی پہلے، نہ ایک گھڑی بعد، کپڑے اس کے ہاتھ ایسے آتے جیسے اس کے ہاتھوں امر ہونے آئے ہوں وہ انہیں ایسے برتتا جیسے استاد کامل شاگرد کامل کو برتتا ہے۔ اس کے دل میں کھوٹ نہ تھی۔ اس کے کام میں کھوٹ نظر نہ آتا۔

اس کے اندر کوئی کم زیادہ کا ترازو نہ تھا۔ اس کے کام میں بھی یہ ترازو نہ جڑا۔ اس کے اندر ہاں ہی ہاں تھی۔ اس کے کام میں نا کیسے نظر آتی؟

پیارے جمال کا کام سب کا دلارا بن گیا۔

اور پیارا جمال۔۔۔

خدا جانے۔

☆ ☆ ☆

دکان میں آگ لگ گئی۔ ہفتہ پندرہ دن دکان بند رکھنی پڑی۔ ان ہفتہ، پندرہ دنوں میں جمال، جمال ہو گئی۔ اماں تو دنگ رہ گئیں۔ کاروں، ٹیکسیوں میں پوچھتے پاچھتے لڑکے، لڑکیوں کے گروپ ان کے گھر آنے لگے۔ تھیٹریکل سیزن شروع تھا نا۔ بڑی مار ماری تھی۔ ایک دو گروپ اسے ساتھ لے گئے۔ ہفتے بعد دس ہزار دے کر بھیجا۔ ہفتے کا دس ہزار، اماں کا منہ کھل گیا۔ دس ہزار اماں نے پورے گن لیے تھے۔ وہ کپڑے نہیں گنے تھے جو جمال سی کر آیا تھا۔ سات دنوں کی آٹھ راتوں میں وہ صرف تیرہ چودہ گھنٹے سو کر آیا تھا۔

خیر۔۔۔ خیر۔۔۔

کچھ بیگمات بھی آئیں پیچھے۔ اماں جمال کو کریدنے لگیں۔ "ایک سوٹ کا تیرا استاد کتنے پیسے لیتا ہے؟"

"مجھے نہیں پتا اماں!" اسے واقعی نہیں پتا تھا۔ اس نے پتا کرنا چاہا ہی نہیں تھا کبھی۔

"لو آٹھ سال سے اس کی دکان پر کام کر رہا ہے اور تجھے خبر ہی نہیں ہے۔" سیدھی سادی ہفتے میں ایک دن آدھ سیر گائے کا گوشت پکا کر صبر شکر کرنے والی اماں گوگل ڈاٹ کام بن گئیں۔ گھر سے نکلیں ناک پر سے مکھی اڑائی اور پتا کیا کہ یہ کم بخت ماری بڑی بڑی ٹیلرنگ کی دکانیں کتنے پیسے لیتی ہیں میڈموں سے۔

ماسٹر سترہ ہزار دیتا تھا جمال کو۔ وہ بھی باقی سب سے چھپا کر۔ اماں اسی میں پھولی نہ سماتیں کہ ایسے ہاتھ پیر کے ساتھ بھی ان کا شہزادہ محلے کے ہر شیر جوان لڑکے سے زیادہ کما کر لاتا ہے۔ اٹھارہ افراد کے اس کے کنبے میں سترہ ہزار بہت تھا۔ بہت تھا جب تک صبر تھا، شکر تھا، بہت تھا۔

ماسٹر جی کئی بار آئے، منت کی بیس سے پچیس دینے پر آ گئے، پر اماں نہ مانیں۔

"لاکھ بھی دو تو اب یہ نہیں آئے گا۔ بس اپنا ہی کرے گا اب یہ۔"

ماسٹر بڑا آبدیدہ ہوا۔ اسے لگا دکان تو اب جل رہی ہے اب تو کوئی پانی اس آگ کو نہیں بجھا سکے گا۔

"کام کی بات نہیں، مجھے جمال سے بڑا لگاؤ ہے۔ بہن جی۔"

"ہاں تو روز آ کر مل لیا کرنا۔" اماں تڑخ کر بولیں۔

ماسٹر جی چلے گئے۔ جمال کی آنکھیں بھی ڈبڈبا گئیں۔

"خبردار جو تو اسے آگے پیچھے کہیں ملا ہو تو۔۔۔ لٹیرا۔۔۔ کوٹتا رہا تجھے۔"

جمال نے سر جھکا لیا۔ مان لینے والا سر کیسے اٹھاتا۔

ساری خواتین کو کہہ دیا گیا کہ گرمی، سردی سارے کپڑے جمال سے سلواؤ۔ گرمی، سردی سارے کپڑے جمالے سے سلوائے جانے لگے۔ ڈرائیور کے ہاتھ کپڑے بھیج دیے جاتے۔ فون پر تفصیلات بتا دی جاتیں۔ بل اماں ڈرائیوروں کو پکڑا دیتیں۔ کام چل سو چل ایسے چلا جیسے عربی گھوڑا میدان میں سرخرو ہونے کے لیے سرپٹ دوڑا ہو۔ یہ جا وہ جا۔

دو مرلے کے میدے کے گھر میں آپا کے شوہر اور چار بچوں سمیت سولہ افراد برا جمان تھے۔ اوپر کا گھر کسی اور کا تھا۔

یا اوپر والا خرید لو، یا نیچے والا بیچ دو کے مصداق اماں نے ہی اوپر والا خرید لیا۔ ایک کمرہ برآمدہ اور سات فٹ کی چھت ان کے نصیب میں لکھی گئی۔ سلائی مشین کے قلم سے۔۔۔ کمرہ برآمدہ آپا کو دے دیا گیا اور تیسری منزل پر اماں نے کمرہ کچن ماربل لگوا کر بنا لیا۔ اوپر تلے کی تین منزلیں اماں کی ہوئیں۔ اماں گردن اکڑا کر اندرون شہر گھومتیں۔ آدھ سیر گائے کے گوشت کی جگہ ڈھائی سیر بکرے کے گوشت نے لے لی۔ کہاں تو سوچا کرتی تھیں کہ جیسے تیسے بیٹیاں بیاہ دیں۔ اب سونے کی قیمتوں پر نظر رکھا کرتی تھیں۔

جمال کے پیدائشی لنگ پر پہلے تو کڑھا کرتی تھیں کہ کیا چار بہنوں کے بعد بھی آیا تو ایسا ٹیڑھا میڑھا۔ کوئی گبھرو جوان ہوتا ماں، بہنوں کا سہارا بنتا۔ اب وہ لنگ تو اماں کبھی کا بھول بیٹھی تھیں۔ خیر۔۔۔ خیر۔

آپا تو جیسے اماں نے قرض مانگ مانگ بیاہی تھی۔

WWW.READERS.PK
پاکستان ویب اور ریڈرز کی پیشکش
WWW.READERS.PK

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

وہی جانتی تھیں میدے کی نک چڑھی موسمی گاجر مولی کی ریڑھی سے تو گھر کا ایک بل ہی بمشکل نکلتا۔ بیٹیاں کہاں عزت سے نکل سکتی تھیں۔ تو آپا بیاہ دی گئی اور آپا اپنا بیاہ لے کر اماں کے پاس ہی آگئی۔ اس کے چار بچوں کا باپ کماتا نہ تھا۔ جیٹھ' دیور اب اور کھلا نہیں سکتے تھے۔ جمال ضرور کھلا سکتا تھا۔ اماں اور کہاں نکال باہر کرتی۔ مصدق تو کمائے گا نہیں' لیکن لڑکی کو بسائے گا تو سہی نا اور مصدق اتنا پیار کرتا تھا آپا اور بچوں سے کہ بھوکا مار دے گا۔ کما کر نہیں کھلائے گا۔ اماں' آپا کے پیار میں بندھی تھی۔ آپا مصدق کے اور مصدق "کچھ نہ کرنے کے۔"

کسی نے کہا ہے۔ غریب بہت ظالم ہوتا ہے۔ جس نے بھی کہا ہے۔ کمال کہا ہے۔

خیر تو جمالا تھا نا۔ کسی کو معلوم ہی نہیں ہوا کہ وہ کب اتنا لائق فائق ہو گیا۔ سلائی کٹائی میں کہ سب کو پیچھے چھوڑ دیا۔ بلکہ بہت سوں کو اپنے پیچھے لگا لیا۔۔۔ خیر۔۔۔ خیر۔۔۔ اس سے کیا ہوتا ہے کہ وہ کتنا لائق' کتنا قابل ہے۔ قدر اس کے فن کی تھیں تھی' قدر تو اس روپے کی تھی جو اس کے بدل میں آتا اور فرق شریف عرف میدے کے خاندان کو پڑا' بہت پڑا' میدے کے بیوی' بچوں کو۔۔۔ خود میدے کو۔۔۔ ریڑھی چلائی' چلائی نہیں تو نہ سہی۔ دکانوں کے تھڑوں پر بیٹھ کر سگریٹ پینے میں آخر کیا جاتا ہے۔ یہ جوان لونڈے بھی تو بے فکر بنے پھرتے ہیں۔ گیارہ بچوں کا باپ کیوں نہیں بے فکرا پھر سکتا۔ تھڑوں پر بیٹھ سکتا' سینما تھیٹر جا سکتا۔ چوک چوباروں میں بلاوجہ ٹہل سکتا۔ کیوں نہیں بھئی؟

ویسے میدا جمالے کا سگا باپ ہے۔ میدے کی بیوی جمالے کی سگی ماں ہے اور باقی کے دس سگے بہن بھائی' بھانجے بھانجیاں اور ہاں ایک عدد سگا بہنوئی بھی۔

وہ سب کا سگا تھا۔ سب اس کے سگے تھے۔

تو اوپر والا گھر اماں نے پورے تیرہ لاکھ میں خریدا۔ یہ تیرہ لاکھ جمالے نے کئی بیگمات کے بیٹے' بیٹیوں کی شادیوں کے کپڑے سی کر اکٹھے کیے۔

اماں نے اکٹھے کیے۔ سیدھی سادھی اماں' سیدھی ہو گئیں۔ غربت کی تو ایسی کی تیسی۔ بہت نچوڑ لیا اس منحوس ماری غربت نے' تو اب اماں اس غربت کے سر ہو گئی تھیں۔ ایک ایک بال نوچ پھینکنا چاہتی تھیں'

ہاں جی۔

وہ نو سال کی عمر سے پہلی دکان پر بیٹھا۔ اٹھارہ کا ہوتا' چھبیس سال کا ہو گیا۔

محلہ سیداں کی نیلی گلی کے گھپ اندھیرے گھر میں وہ کپڑے سلائی کرتا رہا' کرتا رہا' سردی آئی گرمی گئی بہار گزری خزاں چھائی اسے کیا خبر وہ کیوں رکھے خبر' اس کی گھپ اندھیری گپھا میں تو ایک ہی موسم تھا۔ "سلائی کا" ایک ہی سُر تھا۔ سلائی مشین کی آواز کا۔

وہاں ایک ہی وقت آکر ٹھہر گیا تھا۔ سر جھکائے کام کرتے رہنے کا۔

جمال منہ اندھیرے اٹھتا۔ رات گئے سوتا۔ جب نیلی گلی کی باہری سڑک کا حلوائی اور نان بائی اپنی دکانیں بند کر رہے ہوتے' وہ اگلے سوٹ کو سینے کی تیاری کر رہا ہوتا۔ جب گھر والے مونگ پھلی چھیل چھیل کر کھا رہے ہوتے اور لحافوں میں گھسے زمانے بھر کے چٹکلے چھوڑ رہے ہوتے اور آخر کار تھک ہار کر سو جاتے' وہ تب بھی کسی میڈم کے شیفون پر ترپائی کر رہا ہوتا۔ کالر کی آخری سلائی بٹھا رہا ہوتا۔ کسی ناپسندیدہ سلائی کو ادھیڑ رہا ہوتا اور نہیں تو اگلے دن کی سلائی کے کپڑے کاٹ رہا ہوتا۔ سونے سے پہلے اماں یاد سے یاد کروا کر جاتیں۔

"کل میڈم انیلا کا ڈرائیور آئے گا۔ کپڑے تیار ہیں ان کے سب ہی۔"

"ہاں اماں۔"

کبھی کبھی وہ کہہ دیتا۔ "ایک رہ گیا۔"

"کیسے رہ گیا ایک' کیا کرتا رہا ہے تو۔۔۔ سلے کیوں نہیں ابھی تک سارے۔ کہا بھی تھا انہوں نے فلائٹ ہے ان کی اگلے ہفتے امریکہ کی۔ مجھے مروائے گا کیا تو' ایڈوانس پیسے دے گئی ہیں وہ۔ لو کر لو بات' کہہ رہا ہے سلے نہیں۔"

وہ شرمندہ ہو جاتا۔ سوچتا کیا کرتا رہا ہے کہ کپڑے سلے ہی نہیں۔ آخر کیا کرتا رہا ہے۔ سوچتا جاتا کپڑے سیتا جاتا۔

اس کا زمینی بستر گپھا میں ہی ایک طرف لگا تھا۔ عرصہ ہوا اسے ایمرجنسی سونے اور اٹھنے کی عادت تھی۔ ہر وقت کل فلاں سوٹ دینا ہے کی تلوار لٹکتی رہتی۔ وہ کبھی فارغ نہ ہوا۔ اسے کبھی فارغ نہ چھوڑا گیا۔

اماں اور بہنیں کپڑے استری کر دیتیں۔ بٹن لگا دیتیں۔ ترپائی کرنے کی کوششیں کرتیں۔ ایک آدھ سوٹ کر کے ان کا ہاتھ ٹیڑھا میڑھا' موٹا چوڑا چلنے لگتا۔ جمال کو پسند نہ آتی' پھر ان کے ہاتھ کی ترپائی وہ خود ہی کرتا جاتا۔ دس بار انہیں سکھانا چاہا' لیکن ان کے ہاتھوں نے اگاڑ کی ہی ضد پکڑ رکھی تھی۔

ہاں تو وہ اسی گپھا میں ایک طرف چٹائی پر سو جاتا۔ منہ اندھیرے اٹھتا' منہ ہاتھ دھو کر بیٹھ جاتا۔ جب تک اوپر والا نہیں خریدا تھا۔ سب پچھلے دوسرے کمرے میں ہی چٹائی پر سوتے تھے۔ اب وہاں ایک صوفہ سیٹ لا کر رکھا تھا۔ ڈیوڑھی سے اندر آؤ تو پہلے اس کی گپھا آتی تھی۔ سامنے ذرا بڑا کمرہ اور ساتھ اوپر کو جاتی سیڑھیاں۔ اوپر ہی باورچی خانہ کر لیا تھا اماں نے۔

اماں اٹھ کر پہلے اسے ناشتا دے جاتیں۔ ایک پراٹھا' ایک پیالی چائے' کبھی کبھار انڈے اور نہاری۔ وہ جلدی جلدی ناشتا کرتا۔ ہر روز ہی لگتا۔ بس آج ہی ذرا جلدی ہے۔ یہ ذرا جلدی کی روز پچھلے کئی سالوں سے آ رہی تھی۔

ماسٹر جی کے یہاں انار کلی جاتا تھا تو کچھ آرام تھا۔ نو بجے دکان کھلتی۔ وہ آرام سے اٹھ کر نہا دھو کر پیٹ بھر ناشتا کر کے دکان پر چلا جاتا۔ جب سے گھر میں کام کرنے لگا تھا۔ بس جلدی جلدی کا اودھم مچا رکھا تھی۔ اماں ناشتا دے کر دو منٹ بعد ہی آ جاتیں۔

"دو گھونٹ چائے ہے' ختم کر لے جلدی جمالے۔ دو بجے میڈم بلقیس کا ڈرائیور آئے گا۔"

وہ دو گھونٹ چائے چھوڑ ہی دیتا۔ کبھی کبھار اماں

پیالی اٹھا کر وہ دو گھونٹ چائے خود اندر کر لیتیں۔ اماں نے اس جلدی جلدی کے چکر میں اس کا پراٹھا ہی چھوٹا پتلا سا بنانا شروع کر دیا تھا۔ موٹا پراٹھا کھانے میں کتنا وقت لگ جاتا ہے نا۔ پتلے سے پیڑے کو وہ پھیلا دیتیں جلدی کھائے گا' جلدی چبائے گا تو ہی۔۔۔ تو ہی۔

خیر۔۔۔ خیر۔

تو ان گھر کے نو سالوں کے کام میں وہ دن کے دو بار واش روم میں جانے کے نکال کر۔ مشین سے کتنی بار اٹھ کر گیا کا حساب آسانی سے لگایا جا سکتا ہے۔ سردیوں میں پندرہ دنوں میں ایک بار نہانے کو۔

اماں کہتیں۔ "اتنی ٹھنڈ ہے' کیا کرے گا نہا کے۔ کیسا جاڑا لگا ہے' ہڈیوں میں گھس کر کھوکھلا کر دیتی ہے ایسی ٹھنڈ۔"

اور یہ ٹھنڈ اپریل تک رہتی۔ گرمیوں میں کچھ ایسا عالم رہتا ہے کہ نہا کر پنکھے کے نیچے بیٹھو تو جسم جڑ جاتا ہے۔ پسینہ تو اچھا ہوتا ہے' جسم تر و تازہ رہتا ہے۔ وہ سر جھکائے کام کرتا رہتا' نہانے نہ جاتا۔ وقت نے اس کی یہ ضرورت ہی مار دی کہ نہانا بھی ضروری ہے۔ ہاں تو تین بار عیدین کی نمازیں پڑھنے گیا۔ وہ بھی یوں کہ محلے والوں نے اماں کو شرم دلائی کہ کمائی کی اس مشین کو نماز تو پڑھنے بھیج دیا کرو۔ کمائی کی مشین تین نمازیں ادا کر آئی۔ اماں کا بس نہ چلا مولوی صاحب کو گھر بلا کر مشین کے آگے ہی جماعت لگوا لیتیں۔ اماں کہتی تھیں جوان کے ہاتھ ایسا ہنر ہوتا تو وہ رات کو سوتیں بھی نا۔ بھئی صرف ہاتھ چلانے سے ہی سونا نکل رہا ہے تو ہاتھ کون بے وقوف روکے۔

☼ ☼ ☼

آپا سے چھوٹی رابعہ کی بھی شادی ہو گئی۔ محلے والے مہینوں رابعہ کے جہیز کو لے کر باتیں کرتے رہے۔ اتنا جہیز' سب کو جمال سا بھائی ملے۔

اماں نے تین تین سو چار چار سو دے کر باہر کے درزی سے کپڑے سلوا لیے رابعہ کی شادی کے' لیکن جمال کو تنگ نہ کیا۔ اس نے کہا بھی رابعہ کے کپڑے تو

WWW.READERS.PK
پاکستان ویب اور ریڈرز کی پیشکش
WWW.READERS.PK

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

پاکستان ویب کی پیشکش

پاکستان سوشل ویب دنیا بھر میں موجود پاکستانیوں کی مقبول ترین سوشل ویب سائٹ

آیئے، آپ بھی پاکستان ویب کا ساتھ دیں:

پاکستان ویب پر رجسٹر ہو کر، اِس کے ممبر بن کر، اِس کا قابل فخر حصہ بنئیے!
اپنے دوست احباب کو پاکستان ویب کے بارے میں بتائیں اور اُنہیں بھی ممبر بننے کی دعوت دیجئے!
پاکستان ویب کا لائبریری سٹاف گروپ جوائن کر کے اُردو ادب کے فروغ کی کوششوں میں حصہ ڈالئے!
پاکستان ویب جوائن کر کے دنیا میں پاکستان کا نام اور اِس کا اسلامی و قومی تشخص بہتر بنایئے!
پاکستان ویب کے اخراجات ادا کرنے میں اِنتظامیہ کے ساتھ تھوڑا، بہت مالی تعاون بھی کیجئے تاکہ پاکستان کی یہ منفرد ویب سائٹ اپنی بہترین خدمات پاکستان اور آپ جیسے محب وطن پاکستانیوں کیلئے جاری رکھ سکے!
جزاک اللہ خیر!

www.Pakistan.web.pk

محبِ وطن پاکستانیوں کی معیاری فیملی تفریحی سوشل ویب سائٹ!

new www.Readers.pk BETA
for all enthusiastic readers

WWW.READERS.PK

سی دیتا ہوں پر اماں نے کہا۔

"تا بھئی تو صرف میڈموں کے کپڑے سی دیری نہ کر۔"

رابعہ کی شادی ہو گئی۔ اب رابعہ سے چھوٹی صائمہ اور ہما کا جہیز تیار ہونے لگا تھا۔ سب سے چھوٹا جمیل تھا۔ وہ اور اس سے اوپر کی چار بہنیں اسکول جاتی تھیں۔ اماں کہتیں 'ابھی تو پوری چھ کی چھ بٹالین جمالے کو بیاہنی ہے۔ تو یوں ہوا کہ جمال لیٹرین میں دو منٹ سے زیادہ لگا دیتا تو اماں ذرا اونچی آواز سے چلانے لگتیں۔

"تیرا پیٹ خراب ہے جمال۔ پھکی لاتی ہوں تیرے لیے ابھی۔"

جمال پھکی کھا لیتا۔ پیٹ ٹھیک ہو جاتا۔ کٹائی کرتا جاتا۔ سلائی مشین کی موٹر پر پیر کا دباؤ رکھے رکھتا۔ بے جان کپڑے اس کے ہاتھوں نکل کر جان دار ہوتے جاتے۔ رات ڈھل جاتی دن نکل آتا۔ دن ڈوب جاتا۔ رات چھا جاتی۔ سلائی کٹائی جاری رہتی۔ سردی آتی بارش برستی، خوب برستی دھنک نکلتی، تارے ٹمٹماتے۔ لاول حلوائی کی دکان پر کام کرنے والے لڑکے آتے اور چلے بھی جاتے۔

نیلی گلی کے گھروں کی چھتیں اونچی ہو گئیں۔ کسی نے ماربل لگوا لیا۔ کسی نے مکان بیچ دیا۔ اس کے ہم عمر لڑکے بیاہ دیے گئے۔ گلی کے باہر کی سڑک پکی ہو گئی۔ اتنا کچھ ہو گیا، لیکن جمال کی کٹیا میں کچھ نہ بدلا۔ وہاں وہی ریشم، جارجٹ، شیفون، کھڈی، لان، لینن، انار کلی، تنگ پاجامے، ٹیل گاؤن، ساڑھی، بلاؤز، شلوار قمیص کا ہی موسم رہا۔ کس پر کون سا ڈیزائن بنے گا۔ یہ یاد رکھا جاتا۔ کسے کس دن اور تاریخ کو دینا ہے، یہ یاد دلایا جاتا۔ یہی موسم ہر دن، ہر پہر رہا۔ ہر حال میں رہا۔ اس کی بیماری میں بھی اس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ وہ کھانستا، کانپتا صرف کام کرتا، اسے صرف کام کے لیے پیدا کیا گیا تھا۔ اس پر صرف کام ہی فرض کیا گیا تھا۔

خیر... خیر۔

صائمہ کی شادی بھی دھوم دھام سے ہو گئی۔ ہما کے ساتھ اماں نے سوچا۔ جمالے کا بھی نکاح پڑھوا دیا جائے۔ کم بخت مارے یہ لوگ باتیں بہت کرتے ہیں، اماں بہانے سے گاؤں سے جمیلہ کو لے آئیں۔ اماں کی بہن تھی تو سیدھی سادی پر جمیلہ کو شہر میں بیاہنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ بے چاری بس اتنا ہی کہتی جاتی بار بار۔

"یہ شہر والے بڑے ظالم ہوتے ہیں آپا۔" "ہم تو نہیں ہیں۔" اماں اترا کر کہتیں۔

خیر جمیلہ کو اماں بہانے سے لے آئیں کہ چلو سیدھی سادی ہے، گاؤں کی چھوری، ایک کونے میں پڑی رہے گی۔ مہینہ دو مہینہ شہر کے رنگ دیکھ لے گی تو ماں کو بھی راضی کر لے گی۔

تو گاؤں کی چھوری میدے کے گھر اندرون شہر آ گئی۔ لمبے سیاہ گھنے بالوں اور موٹی موٹی آنکھوں والی جمیلہ، اس کی بھنویں اور پلکیں جنگل سی گھنی تھیں۔ ان میں چراگاہوں سی شادابی اور شفافیت تھی۔ جھرنے اس کی آنکھوں میں گر گر اس کے وجود کو جھلملا جاتے۔

اماں نے اسے انار کلی، عجائب گھر، گلشن پارک، جناح پارک، چڑیا گھر گھمایا۔ خوب سیر کروائی، سیل سے کپڑے جوتے بھی لے دیے۔ اماں بڑی خوش تھیں اس سے۔ گھر کے سارے کام منٹوں میں کر دیتی۔ صبح سویرے ہی سب کام نپٹ جاتے۔ کپڑے دھل جاتے۔ سالن روٹی پک جاتی اور تو اور اس نے آٹھ، دس سالوں کے بنے گندے سندے لحاف گدے نکال نکال دھوئے۔ روئی کو دھویا، سکھایا۔ اماں کے ساتھ جا کر بھروا لائی اپنے ہی سر پر گٹھڑ رکھ کر گھر لاتی۔ دھوپ میں بیٹھ کر نگندے ڈال دیتی۔ ہفتے میں دس بارہ رضائیاں گدے تیار اور تو اور جمال کو اس کے ہاتھ کی ترپائی بھی پسند آ گئی تھی۔ ہاتھی کان کے سے پاجامے بھی سی دیتی تھی۔

لو اماں کو تو دو لوگ مل گئے۔

ہاں تو شروع میں جمیلہ کی خوب آؤ بھگت کی گئی کہ بس شہر والوں کو پسند کر لے، پھر وہ بھی نان چنوں، چائے پاپوں پر آ گئی۔ جیسے کپڑا کاٹ کر سی کر پہن لیا جاتا ہے اور کترنیں ادھر ادھر رلتی پھرتی ہیں ویسے ہی وہ کر دی گئی۔

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

سارے گھر کا کام کرنا جیسے اسی پر فرض ہو گیا۔ اماں نے نکاح پڑھوایا نہیں اور اسے اپنی بہو ہی سمجھ کر بیٹھ گئیں۔ کام سے فارغ ہوتی تو اماں جمالے کے پاس بیٹھا دیتیں۔ وہ بھی گھنٹوں ترپائی کرتی جاتی، بٹن ٹانکتی رہتی۔

سردیوں کے دن تھے۔ جمال کی ٹھنڈی کھپا' میں بیٹھے بیٹھے وہ کانپ جاتی۔ ہاتھ پیر سن ہو جاتے۔ اس کا جی چاہتا۔ اوپر جا کر دھوپ میں بیٹھنے کو۔ ایک دو' بار اس نے خالہ سے کہا کہ کپڑے وہ اوپر دھوپ میں بیٹھ کر ترپائی کر دیتی ہے' لیکن خالہ نے پرزور منع کر دیا۔ کپڑوں کا اس کھپا سے نکلنا ایسے ہی ممنوع تھا جیسے بنا چاند کے رمضان کا روزہ رکھ لینا۔

اتنے مہنگے کپڑوں پر داغ دھبا لگ جائے' کون بھرے گا۔ فرش پر صاف پلاسٹک بچھا تھا۔ ایک دیوار گیر الماری اماں نے خاص ان کپڑوں کے لیے بنوائی تھی۔ وہاں احتیاط سے کپڑے تہ کیے رکھے ہوتے۔ بیگمات — دس دس بار کہتیں۔

"بہت مہنگے کپڑے ہیں کوئی داغ دھبا نہ لگے۔"

جمیلہ نے جی کڑا کر کے آٹھ' دس دن تو کام کیا' پھر بھاگنے لگی' کام سے نہیں سیلن زدہ دم گھوٹ کھپا سے۔

"جمال بھائی! آپ کو ڈر نہیں لگتا۔"

"کس سے؟"

"اس کمرے کی چھت نہ گر جائے۔"

"چھت کیسے گرے گی بھلا۔"

"سب گھر والے چھت پر ہیں نا۔ صرف ہم دو ہی نیچے ہیں۔"

وہ ہنسا بہت ہنسا بہت اچھا ہنسا۔ "تم جاؤ' میں خود کر لوں گا۔"

"میں یہ کام اوپر لے جاتی ہوں' دھوپ نکلی ہے' دھوپ میں بیٹھ کر۔"

"داغ لگ جائے گا۔"

"اچھا..." وہ بیٹھ گئی۔

"تم جاؤ جمیلہ۔"

"نہیں جمال بھائی! آج کر لیتی ہوں' کل سوچوں گی کروں یا نہیں۔ میرے پاس شہر کی بہت باتیں اکٹھی ہو گئی ہیں' میں رضیہ کو جا کر بتاؤں گی کہ شہر والے گڈے گڑیاں جتنے گھروں میں رہتے ہیں' کبوتروں کے لیے بڑے بڑے گھر بنواتے ہیں اور اپنے لیے۔" وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسی' ہنستی ہی رہی۔

جمال بھی ہنسنے لگا۔

"میرا تو بڑا دم گھٹتا ہے آپ کے گھر میں۔ ہمارے گھر نا میں شام کو ابّے کی سائیکل دیر تک چلاتی رہتی۔ رضیہ بھی اپنے بھائی کی سائیکل لے آتی ہے اور ہم ریس لگاتے۔ اتنا بڑا گھر ہے ہمارا۔ آپ تو کبھی آئے ہی نہیں نا۔ خالہ سے پوچھ لیں بے شک۔ جھوٹ نہیں بولتی میں اور یہ آپ کا گھر ہے۔ یہاں تو سائیکل رکھنے کی بھی جگہ نہیں ہے اور یہ آپ کا کپڑوں کا گودام' ایسا لگتا ہے ابھی ابھی کنویں سے پانی نکالا ہے۔

جمال ہنستا رہا۔ اپنا کام کرتا رہا' کنواں..... ہاہاہا۔

"دھوپ چمک رہی ہے آج تو خوب۔" وہ بار بار کہتی جاتی۔

"دھوپ بھی چمکتی ہے بھلا؟" جمال کہہ بیٹھا۔ سالوں سے اس نے کپڑوں کی ہی چمک جو دیکھی بھالی تھی۔

"لو کبھی نہیں دیکھی دھوپ چمکتی' آئیں میرے ساتھ' آئیں نا۔ میں دکھاؤں کیا اس ڈربے میں سارا وقت بیٹھے رہتے ہیں' کچھ خانۂ خدا کی طرف بھی نظر کریں' دیکھئے کیسے کیسے رنگ بکھرے ہیں **شیفون'** جارجٹ کے رنگوں کو بھول جائیں گے۔"

وہ اسے اوپر لے آئی اور وہ اس کے ساتھ اوپر آ گیا۔ اس کی بہنیں اماں آپا کے چار بچے اور اس کا سگا بہنوئی بھی چھت پر ادھر ادھر بیٹھے کینو' مالٹے کھا رہے تھے۔ دھوپ سینک رہے تھے۔ اماں نے جو اسے آتے دیکھا مانو سو واٹ کا کرنٹ لگا۔ بلب جل کر بجھا۔

"جمالے تو..... اوپر؟"

جمال ایک طرف بیٹھ گیا۔ کھپا کی سیلن میں جڑا اس کا جسم کھلنے لگا۔ اسے بڑا اچھا لگا۔ اماں نے فٹافٹ اسے کینو چھیل کر دیے۔ جمیلہ آنکھوں کے اشارے

سے پوچھتی رہی۔

"کیسی چمک رہی ہے پھر دھوپ۔"

جھٹ پٹ اماں نے اسے تین' چار کینو کھلائے اور نیچے چلتا کیا۔ لیکن اب ذرا سی دیر ہو چکی تھی۔ سورج مکھی کی جڑ نکل آئی تھی۔ وہ روز پندرہ بیس منٹ ضرور دھوپ کی چمک دیکھ جاتا۔ جمیلہ بہانے سے اس کے قریب کہیں سرگوشیاں کرتی جاتی۔ جمال اس کے لیے اس بچے جیسا تھا جس کی انگلی تھام کر اپنی انگلی کے اشارے کر کر کے اسے اس نے دنیا دکھائی تھی۔ خانہ خدا کے رنگ دکھائے تھے۔ وہ بہت خوش ہوئی اپنے استاد بننے پر۔

"وہ سامنے چھ سات گھر چھوڑ کر جو ڈربہ معاف کیجئے گا جو گھر ہے اس کی چھت پر وہ ادھر کونے میں چھپا بیٹھا ایک مور ہے۔ وہ ادھر... ہاں لال ٹین کے پاس... ہاں وہی میرے ہاتھ کی سیدھ میں دیکھیں نا جمال بھائی۔"

جمال آنکھیں سیکڑ کر مور ڈھونڈتا۔

"ٹھنڈی یخ رات کے بعد دھوپ نکلے تو یہ مور ناچتا ہے۔"

"مور ناچتا بھی ہے؟" جمالے کو پتا ہی نہیں تھا کہ یہ مور شور ناچتے بھی ہیں۔ وہ ٹھنڈی یخ رات کا انتظار کرنے لگا۔ ایک دو بار اس نے جمیلہ سے پوچھا بھی۔

"آج رات بڑی ٹھنڈ ہے۔ اچھا تو کل ناچے گا مور۔"

وہ ہنس دیتی۔ "کیا پتا۔"

اماں اور باقی سب اتوار بازار گئیں۔ اماں تو بس دس پندرہ منٹ کا جانا آنا ہی کرتی تھیں۔ جمالے کی فکر لگی رہتی تھی نا۔ باقی سب پھرتی رہتی تھیں' تو ان دس پندرہ منٹوں کے لیے جمال اور وہ اوپر آ گئے۔ دونوں نے چھت کی دیوار سے... ایک ہی دیوار سے ٹک کر ذرا دور مور کو ناچتے دیکھا۔

مور پنکھ دونوں کے دل میں ہوا کرنے لگے۔ مور کیوں ناچ رہا ہے۔ جیسے انہیں خبر ہو گئی۔ انسان کیوں نہ ناچے' انہوں نے سوچ لیا۔

گھنی بھنوؤں والی کی آنکھوں میں دھنک اتر آئی۔ جمال مبہوت رہ گیا۔ وہ مور کو دیکھنا بھول گیا۔ اس کے اندر ایک سوال جاگا۔ جمیلہ کا سوال' وہ کھڑے کھڑے جمیلہ کا سوالی بن گیا۔

اور اس کے بعد جو کپڑے سلے انہوں نے ساری میڈموں کو خوش سا کر دیا۔

"کمال کر دیا اس بار تو' میری بیٹی تو پھولے نہیں سما رہی تھی گاؤن پہن کر۔ اس کی دو فرینڈز بھی پوچھ رہی تھیں تمہارا۔" ایک میڈم نے باقاعدہ فون کر کے کہا۔

اس کے دل میں کوئی کھوٹ نہیں تھا۔ اس کے دل میں محبت کا سوتا پھوٹا اور سب نکھر کر اجلا اجلا ہونے لگا۔ اس کے فن کو آٹھ چاند لگ گئے۔

"اماں! مجھے اوپر والا کمرہ دے دیں۔" جمالے نے عجیب بات کی۔ اماں کا سارا دن منہ کھلا اور ساری رات آنکھیں۔

"کیوں' تو کیا کرے گا اوپر کے کمرے کا؟"

"نیچے اندھیرا بہت ہوتا ہے۔ نہ دن کی خبر نہ رات کی' دھوپ بھی نہیں آتی۔"

"دھوپ کا کیا کرے گا؟"

"دھوپ بڑی پیاری ہوتی ہے اماں۔"

"اب تو گرمی آنے والی ہے۔ پگلے تیرا کمرہ تو ایسا ٹھنڈا ہے کہ جیسے اے۔ سی لگا ہو۔ ہمیں دیکھ' کیسے گرمی میں تڑپ تڑپ جاتے ہیں۔ تندور بن جاتا ہے یہ تیسری منزل کا کمرہ۔"

"ابھی تو دسمبر ہے اماں' نہیں لگے گی مجھے گرمیوں میں گرمی۔"

بار بار کی تکرار سے اماں نے اس کا سامان اٹھوا کر اوپر رکھوا دیا۔ اب وہ روز چھت پر آنے لگا تھا۔ یہ بھی نقصان تھا۔ اوپر کے کمرے میں کھڑکی سے دھوپ سیدھی اس جگہ آدھ گھنٹہ ٹھہرتی جہاں اس کی مشین رکھی تھی۔ یوں وہ مزے سے دھوپ میں کام کرتا جاتا۔ ادھر ادھر کے دنیاوی شور و غوغے سے مزے لیتا۔ آس پاس کے سب چھتوں پر ہوتے۔ وہ ایک نظر ان سب پر بھی ڈال لیتا۔

خوش تھا۔ اسے اچھا لگ رہا تھا۔ کھلے آسمان کو دیکھتا

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

WWW.READERS.PK
پاکستان ویب اور ریڈرز کی پیشکش
WWW.READERS.PK

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

تو سکون سا ملتا۔ ڈھلتی شام دیکھتا‘ گہری رات دیکھتا۔ رات کے تھال پر سجے نکلتے چراغ دیکھتا۔

اس کے اوپر آنے سے رات کو سب اب نیچے سوتے۔ دن میں اوپر آجاتے۔ لیکن اس کے کمرے میں کوئی نہ گھستا۔ رات کو جمیلہ اس کا کھانا لے آتی اور سیڑھیوں پر نظر رکھ کر اسے کھلی چھت پر لے آتی اور جگمگ جگمگ ننھے چراغ دکھاتی‘ دھند ہوتی تو وہ اسے کہتی کہ دس تارے ڈھونڈ دیں۔ وہ دس ہزار ڈھونڈ لیتا۔ اس کی آنکھوں میں۔

"ہمارے گاؤں آؤ تو آسمان ایسے صاف شفاف ہوتا ہے کہ ان ستاروں سے نظر ہی نہیں ہٹتی۔ جی چاہتا ہے ہاتھ بڑھا کر سب مٹھی میں بند کرلیں۔ جھولی بھر لیں۔"

"میں تمہارے گاؤں آؤں گا۔"

"ضرور آنا۔"

"حیدر آبادی کرتا سی کرلاؤں گا‘ بہت بھلا لگے گا تم پر۔"

"ضرور لانا۔"

"ساتھ انڈین چنز۔۔۔ سرخ۔۔۔ ہری۔۔۔ پیلی۔"

"ہاں سرخ تو ضرور ہی۔"

"چلو صرف سرخ ہی۔"

"اور چوڑیاں۔۔۔"

"وہ ست رنگی۔ سارے رنگ ہوں گے سارے۔"

وہ اماں کے ڈر کا بہانہ کرتی نیچے بھاگ جاتی‘ وہ بہت دیر کھڑا دھندلے آسمان میں دس ستارے ڈھونڈتا رہتا۔

"جمالے۔" اماں اوپر آتیں۔

"ہاں اماں۔"

"یہاں کیا کر رہا ہے‘ اتنی ٹھنڈ میں۔" اماں کی توپ مار کہ آواز نکلتی۔

وہ چپ کر کے کمرے میں آجاتا‘ کوئی جواب نہ دیتا۔ اماں کپڑے گننے لگتیں۔

"پاجامہ سی دے جلدی۔ باؤلا ہو گیا ہے تُو تو۔۔۔ ٹک کر کام ہی نہیں کرتا۔ تیری بہن کی تاریخ ڈالنی ہے۔ تجھے خبر ہی نہیں ہے۔ دو بہنیں بیاہ دے گا تو خدا کے حضور رتبے والا ہی ہو گا نا۔ کیا کیا نہیں کرتے بھائی بہنوں کے لیے جمیل تو چھوٹا ہے ابھی‘ تو تو ذمہ دار بن۔"

وہ شرمندہ ہو گیا۔ اس رات ساری رات نہ سویا اور سارے کپڑے فجر سے پہلے سی دیے۔

نماز پڑھ کر جمیلہ چپکے سے اس کے کمرے میں آئی اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ "ساری رات نہیں سوئے۔"

وہ خاموش رہا۔ وہ اس کے پاس بیٹھ گئی اور خاموشی سے کام کرنے لگی۔ اماں آئیں۔ دیکھ کر نہال ہو گئیں۔

اگلی صبح وہ جمال کو لیے اس منڈیر کی طرف کھڑی تھی جہاں سے سڑک نظر آتی‘ یہاں دودھ دہی‘ حلوے نان کی کئی دکانیں تھیں۔ ہمہ وقت رش لگا رہتا۔

"یہ سامنے والا حلوائی دودھ میں سنگھاڑوں کا آٹا ملاتا ہے۔"

"اچھا؟" اسے حیرت ہوئی "تمہیں کیسے پتا۔"

"میں نے کتنی بار دیکھا ہے آپ نے تو کبھی ادھر اُدھر جھانکا ہی نہیں نا کہ یہاں وہاں کیا ہو رہا ہے اور وہ جو نان والا ہے نا اس کا‘ اس کا نا۔۔۔"

وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسنے لگی۔

"اس کا کیا۔۔۔؟" جمال کو اس کی ہنسی بڑی پیاری لگی۔

"وہ جو نیلی ٹنکی والا گھر ہے نا۔ اس باجی سے چکر چل رہا ہے۔ باجی روز آتی ہے۔ آٹھ‘ دس نان بنا پیسوں کے لے جاتی ہے۔"

"ہو سکتا ہے وہ اس کی سگی بہن ہو یا رشتہ دار ہو۔"

اب وہ پیٹ پر ہاتھ رکھ کر ہنسنے لگی۔ "بہت بھولے ہیں آپ۔ بہت ہی زیادہ۔"

"اچھا۔۔۔ میں بھولا ہوں۔" وہ بھی ہنسنے لگا۔

تو جمال نے بھی ہنسنا شروع کر دیا۔ چھت کی منڈیر سے سر نیچے کر کے چند تماشے وہ بھی دیکھ کر ہنس لیتا۔

سر اٹھا کر آسمان کی دھند سے لپٹ جاتا اور بارش کی چھم چھماہٹ پر وہ بھی جھومنے لگا۔ ادھر ادھر کی چھتوں سے چلتے عشق ممنوع اس نے بھی پکڑ لیے۔ وہ اعتکاف جس میں وہ سالوں رہا۔ اب اس سے باہر آنے کا وقت آنے لگا۔ وہ جمیلہ کے اوپر آنے کا انتظار کرتا۔ جمیلہ اس کے ہاتھ سے سلے ایک ایک کپڑے پر ہاتھ پھیرتی جاتی کہتی جاتی۔

"جادو ہے آپ کے ہاتھوں میں‘ جادو۔"

ایک عالم نے اس کی تعریف کی تھی یہ تعریف سب پر بھاری تھی۔ ایک وہ تھے جو یہ جادو پہنتے تھے۔ ایک وہ تھے جو یہ جادو کھاتے تھے۔ لیکن وہ ان دونوں میں سے کوئی نہ تھی۔ جمال کو اپنے جادوگر ہونے پر فخر ہونے لگا۔

"آرام بھی کیا کریں۔ ورنہ یہ کُب پکا ہو جائے گا۔" وہ رات کو اسے کہہ کر سوتی۔

وہ اپنے کُب کو کچا کرنے کے لیے رات کو جلدی سے سونے لگا۔

"آسمان سے برف گرے گی جمال۔"

وہ کمرے میں آئی اور جلدی سے کہہ کر چلی گئی۔ اماں کا دھڑکا لگا رہتا تھا نا۔ موسلا دھار بارش ہو رہی تھی اور کچھ ہی دیر میں آسمان سے برف گرنے لگی۔

جمال دبا دبا مسکرانے لگا اور برف اکٹھی کرنے لگا۔ نیچے سب لحافوں میں دبکے تھے ابلے انڈے کھا رہے تھے۔ کوئلے والی انگیٹھی تاپ رہے تھے۔ اس کو دیا انڈا ٹھنڈا ہو گیا۔ وہ سردی کی بارش میں بھیگ کر بھی گرم ہی رہا۔

اماں نے دیکھا تو چیخ مار دی۔ "نمونیہ ہو جائے گا جمالے باؤلے۔"

لیکن اسے نمونیا نہ ہوا۔ اسے آسمان سے گرتی برف بہت اچھی لگی۔ وہ ننھا بچہ بن گیا جو جنگل میں دور تک تتلی کا پیچھا کرتا ہے گھنٹوں پانی میں تیرتی مچھلیوں کو دیکھتا ہے اور تو اور جو بلی کے بلونگڑوں کو اپنے ساتھ بستر میں سلانا چاہتا ہے۔

گھنٹہ بھر وہ برف اکٹھی کرتا رہا۔ اماں نے لال انگارہ آنکھوں سے جمیلہ کو دیکھنا شروع کر دیا۔ یہ گاؤں کی چھوری‘ ہونہہ۔۔۔ اندھی نہیں تھیں اماں۔

☼ ☼ ☼

اگلے دن ایک اور قصہ ہوا۔

عید میلاد النبی کا دن تھا۔ گاؤں میں بھی اچھا خاصا اہتمام ہوتا‘ لیکن جمیلہ تو اندرون شہر کی سجاوٹ دیکھ کر حیران رہ گئی۔ ایسی رونق کہ میٹھی عید سے بھی زیادہ‘ سب نے نئے کپڑے پہنے‘ رات مہندی‘ لگوائی‘ چوڑیاں پہن کر آئیں سب۔

جلوس آنا تھا‘ سب چھتوں‘ منڈیروں پر چڑھے تھے۔ لڑکوں کا جلوس گھروں سے باہر تھا۔ ایک صرف جمال حسب دستور گھر کے اندر تھا۔ سارے حلوائی خالص دودھ کی بنی کھیر کی ٹھوٹھیاں‘ کچے ماتھے پر ہرے رومال باندھے بانٹ رہے تھے۔ لڑکوں کا جم غفیر تھا جو جلوس میں کئی ہزار ٹھوٹھیاں‘ نان حلوے‘ کینو‘ سیب‘ جوس کے ڈبے‘ بریانی کے چھوٹے ڈبے اور سبز چائے بانٹ رہے تھے۔ جمیل انہیں بھی اندر سب لا لا کر دے رہا تھا۔ گھر میں کھانے پینے کی چیزوں کا ڈھیر لگ گیا تھا۔ ذرا کی ذرا جمال بھی جلوس دیکھنے باہر آیا۔ جمیلہ نے سرگوشی کی۔

"آپ بھی جاؤ نا نیچے۔"

"میں۔۔۔ میرا کیا کام۔"

"سب لڑکے ہیں وہاں۔۔۔ جلوس کا استقبال کریں۔ گلے ملیں۔۔۔ کھیر کھائیں۔۔۔ کھیر بانٹیں۔۔۔ اور کیا کرنا ہے۔"

وہ چپکے سے سیڑھیاں اتر کر نیچے آ گیا۔ اماں گلی کے نکڑ پر گلی کی دوسری عورتوں کے ساتھ بن سنور کر کھڑی تھیں۔ اس پر نظر پڑتے ہی سارا جلوس ماتمی ہو گیا۔

"جمالے! تو کہاں؟"

"اماں یہ ذرا لال حلوائی تک۔۔۔"

"کیا کرے گا جا کر۔۔۔ اتنی دھکم پیل ہے وہاں۔"

"ابھی آیا اماں۔" وہ چلا گیا۔ اماں دیکھ کر رہ گئیں۔

WWW.READERS.PK
پاکستان ویب اور ریڈرز کی پیشکش
WWW.READERS.PK

WWW.PAKISTAN.WEB.PK
WWW.PAKISTAN.WEB.PK

"آج تو واقعی عید ہے۔ بھئی جمالے کی شکل جو دیکھ لی۔" پڑوسن خالہ نے مسکرا کر طنز کیا' اماں کا سارا مزا کرکرا ہو گیا۔

جمیلہ ہاتھ ہلا ہلا کر جمال کو اوپر سے اشارے کر رہی تھی کہ فلاں ٹرالی پر مکہ مدینہ کیا کمال کا بنا ہے' فلاں ٹرالی کیسی بجی ہے۔ فلاں کیسے اچھل اچھل کر ناچ رہا ہے۔ عید واقعی عید ہو گئی۔

جمال بھی ٹھوٹھیاں کجے جلوس میں بانٹنے لگا۔ کسی نے اس کے گلے میں ہرے رنگ اور سنہرے کناروں والا دوپٹا ڈال دیا۔ پیشانی پر رومال باندھ دیا اور پھر آخری ٹرالی میں بیٹھ کر وہ بھی جلوس کے سنگ لاہور کا چکر لگانے کے لیے نکل کھڑا ہوا اور رات گئے واپس آیا اور آتے ہی سو گیا۔ اس نے کبھی اتنی جگمگاہٹ نہیں دیکھی تھی۔ وہ کبھی ایسے جشن کا حصہ نہیں بنا تھا۔ آج سب ہو گیا۔

اماں اگلے ہی دن جمیلہ کو اس کے گاؤں چھوڑ آئیں۔

"تیرا رشتہ ڈال آئی ہوں۔ تیری خالہ کہہ رہی تھی۔ سوچ کر جواب دیں گے۔" اماں نے جمال کو آکر بتایا۔

"جمیلہ ہاں کہے گی تو خالہ کیسے انکار کر دیں گی۔"

جمیلہ نے ناں کی یا خالہ نے جمیلہ کا چھوٹا بھائی مٹھائی کا ڈبہ لے کر آ گیا' گھڑی دو گھڑی بمشکل بیٹھا چائے بسکٹ کو ہاتھ بھی نہ لگایا۔

"جمیلہ کا نکاح ہو گیا ہے۔ شریف لوگ ہیں۔ عزت دیتے ہیں۔ بیٹیاں تو کسی کی بھی گھر نہیں رہتیں خالہ۔"

اماں ہونہہ کہہ کر رہ گئیں اور پھر مسکراہٹ دباتی ہوئی جمال کے پاس آئیں۔

"جمیلہ کا نکاح کر دیا تیری خالہ نے' عجیب ڈنگر بہن ہے میری۔ مجھے ہاں ناں کی نہیں اور لڑکی کا نکاح پڑھوا دیا۔ پندرہ مرلے کا گھر ہے سسرالیوں کا' گجرات گاؤں میں' کہاں وہ کہاں ہم سب اپنا بھلا ہی سوچتے ہیں۔ ہم ٹھہرے غریب' جمیلہ تو یہاں بھی کہتی پھرتی تھی ڈربہ..... ڈربہ..... خیر..... خیر۔"

"تو جمیلہ کا نکاح کسی اور سے ہو گیا۔" سارا دن دھاگے ٹوٹتے رہے۔ قینچی اس کے ہاتھ سے پھسلتی رہی اور تو اور مشین کی دو سوئیاں ٹوٹ گئیں۔

پندرہ مرلے کا گھر۔ جمیلہ..... لیکن مور کو ناچتے تو ان دونوں نے دیکھا تھا۔ جمال کو یاد آیا ایک بار جمیلہ اور صائمہ اوپر چھت پر باتیں کر رہی تھیں۔ وہ اندر کپڑے سی رہا تھا۔

"کیسا لگا ہمارا لاہور۔" صائمہ نے اِترا کر ایسے پوچھا جیسے لاہورن ہونے کا تاج صرف اسی کے سر پر ہے۔

"ہاں جی دیکھا..... یہ بڑی بڑی سڑکیں' بلڈنگیں' دکانیں' بازار اور گھر۔" گھر کے نام پر..... وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنستی رہی۔

صائمہ چڑ گئی۔ "یہاں گھر مہنگے ہوتے ہیں نا' ایویں کھویں بات نہیں یہاں گھر بنا لینا۔"

"روشنی ہوا بھی خریدنی پڑتی ہے کیا۔ اپنا گھر ہی دیکھ لو' دھوپ بارش کے لیے تیسری منزل پر آنا پڑ رہا ہے۔ نچلا حصہ تو غار ہے مانو غار۔"

"اے بہن یہی سب ہے یہاں۔ تجھے کیا پتا کیسے رہا جاتا ہے یہاں۔"

"سب پتا ہے مجھے..... گھر چھوٹے ہوں' روشن ہوا دار ہوں' میرا تو دم گھٹتا ہے ایسے بند گھروں میں۔"

دو ڈھائی مرلے کے گھر سے بڑے گھر کا رشتہ نہیں ملنے کا تجھے یہاں۔ اتنے سے گھر میں کہاں رکھے گی صحن' برآمدہ' روشن دان' ہوا دان۔"

"دو ڈھائی مرلے والا میرے کہنے پر اس سے بڑا بھی بنوا دے گا۔ اسے بھی کچھ سکون ہو گا۔ قدر کرے گا میری۔"

"گاؤں کی چھوری کے اتنے نخرے۔"

"ہاں بھئی' یہ نخرہ تو بنتا ہے۔"

تو جمال نے ذرا سے بڑے گھر کا حساب لگانا شروع کر دیا۔ ہما کی شادی بھی جلد ہی ہو جائے گی۔ پیچھے کی پانچ رہ جائیں گی۔ دو کی اپنے بعد کر دے گا' پھر گھر بنائے گا۔ باقی وقت کے ساتھ سب ہوتا جائے گا۔ وہ

پاکستان ویب کی پیشکش
پاکستان سوشل ویب دنیا بھر میں موجود پاکستانیوں کی مقبول ترین سوشل ویب سائٹ
آیئے، آپ بھی پاکستان ویب کا ساتھ دیں:
پاکستان ویب پر رجسٹر ہو کر، اِس کے ممبر بن کر، اِس کا قابلِ فخر حصہ بنیئے!
اپنے دوست احباب کو پاکستان ویب کے بارے میں بتائیں اور اُنہیں بھی ممبر بننے کی دعوت دیجئے!
پاکستان ویب کا لائبریری سٹاف گروپ جوائن کر کے اُردو ادب کے فروغ کی کوششوں میں حصہ ڈالیے!
پاکستان ویب جوائن کر کے دنیا میں پاکستان کا نام اور اِس کا اسلامی و قومی تشخص بہتر بنایئے!
پاکستان ویب کے اخراجات ادا کرنے میں اِنتظامیہ کے ساتھ تھوڑا بہت مالی تعاون بھی کیجئے تا کہ پاکستان کی یہ منفرد ویب سائٹ اپنی بہترین خدمات پاکستان اور آپ جیسے محبِ وطن پاکستانیوں کیلئے جاری رکھ سکے!
جزاک اللہ خیر!
www.Pakistan.web.pk
محبِ وطن پاکستانیوں کی معیاری فیملی تفریحی سوشل ویب سائٹ!
new www.Readers.pk BETA
for all enthusiastic readers
WWW.READERS.PK
پاکستان ویب اور ریڈرز کی پیشکش
WWW.READERS.PK

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

جمیلہ کے لیے ایک چھوٹا سا گھر تو لے ہی سکتا تھا نا۔ اس نے اماں سے کہا۔

"اماں میری کمیٹی ڈلوادیں کہیں۔"

"کمیٹی... تو کیا کرے گا کمیٹی... بابا میں نے ڈال رکھی ہے تیری بہنوں کی شادیوں کے لیے کمیٹی۔"

"اماں میرے لیے ایک ڈال دے۔ میں ایک گھر لوں گا۔"

صرف خدا ہی جان سکتا تھا کہ اس نے کس فرشتہ صفت انداز سے یہ خواہش ظاہر کی تھی ایک گھر کی۔ جیسے ایک عبادت گاہ کی۔ اس میں کہیں دنیا اکٹھا کرنے کا لالچ نہ تھا۔ لالچ اس کے جسم کی کسی پور میں نہ تھا' لالچ ہوتا تو وہ لاکھوں روپے سی کر اماں کے ہاتھ نہ پکڑا تا جاتا۔ یہ تو صرف اس تاج محل کو بنانے کی چاہ تھی جو محبت کے نام پر محبت کرنے والے بنا دینا چاہتے ہیں۔ اس میں کچھ برا نہ تھا' اس میں کچھ حرام نہ تھا۔

"گھر..." اماں کئی لحظے اس کا منہ دیکھتی رہیں۔ "یہ گھر ہے نا... اور کتنے گھر لے گا۔"

"صرف ایک لوں گا' صرف ایک۔" وہ جمیلہ کا نام نہ لے سکا۔

اماں نے توپ مار کہ نظروں سے اسے دیکھا۔

خیر... خیر۔

اپنے فن میں راجہ ادھیراج (راجوں کا راجا) اپنا تاج محل مسمار کروا بیٹھا' جو مور سنگ کیا تھا دونوں نے اس رقص عاشقاں کا کیا بنا۔

بائیس ہزار کی ساڑھی کی پلیٹیں بیٹھنے میں نہ آئیں۔ مسز حماد دنگ رہ گئیں۔ ساڑھی اٹھا کر ڈرائیور کے ساتھ آئیں۔

"یہ ساڑھی سی ہے کہ لہنگا؟ مسز حماد کا رنگ فق ہو رہا تھا۔

جمال مسز حماد کے منہ کی طرف دیکھنے لگا۔ "مجھے معاف کردیں آپا جی۔" وہ ایک دم سے رونے لگا ہاتھ بھی جوڑ دیے' مسز حماد ہکا بکا رہ گئیں۔

"کوئی بات نہیں' ہوجاتا ہے اگر ٹھیک ہوجائے تو ورنہ..."

جمال نے ٹھیک کرنے کے لیے ساڑھی نما لہنگا پکڑ لیا۔ تین دن بیمار رہا۔ کپڑے سیتا رہا۔ چھ ماہ بعد پھر تین دن بیمار رہا۔ جمیلہ کی رخصتی تھی نا۔

چھبیس سال کا جمال چھتیس سال کا ہوگیا۔ ہما' زارا... حنا بیاہی گئیں۔ اس کا بھی نکاح ہوگیا۔ بیوی بیاہ کر اس گپھا میں آگئی۔ اماں کے دور کے رشتے دار تھے۔ ان کی لڑکی تھی۔ لڑکی نے ایسے حالات دیکھے تھے کہ ماچس کی آدھ جلی تیلی بھی محفوظ کرلیتی کہ کام آئے گی۔ کپڑوں کی کترنوں سے اس نے اٹھتے بیٹھتے کئی رلیاں بنا لیں اپنی نندوں' نندوں کی نندوں کو دیں۔ بے چاری ان لوگوں میں سے تھی جو سال میں تیسرا جوڑا بنالیتی تو خود کو فضول خرچ سمجھنے لگتی اور توبہ توبہ کرتی کہ قیامت کے دن اس فضول خرچی کا حساب کیسے دے گی آخر۔

جمال چھتیس سے چھیالیس' سینتالیس' اڑتالیس کا ہوگیا۔ اس کی بیٹی دس سال کی ہوگئی۔ سویرا جس کی آنکھیں جنگل سی گھنی تھیں۔ ہاں تو اس نیلی گلی کے آس پاس کے مکینوں کا کہنا تھا کہ جمالے کی شادی نہیں ہونے کی' شادی ہوگئی' اچھا تو کوئی اولاد نہ ہونے دے گی میدے کی جورو... اولاد بھی ہوگئی۔ خیر اب اور نہیں ہونے کی اولاد۔ جمال کے اور اولاد نہ ہوئی خیر... اماں مر گئیں... ساری بہنیں بیاہی گئیں' جمیل دبئی چلا گیا۔

مشین چلتی رہی۔ چلتی رہی۔ اوپر کے کمرے سے وہ اپنی گپھا میں واپس آگیا تھا۔ موروں سے اسے نفرت ہوگئی تھی۔ جاڑے کی راتوں میں اس نے کبھی تارے نہ ڈھونڈے۔

مشین جو چلتی رہی' خیر... خیر۔

وہ سلائی کا کام کرتا ایسا لگتا جیسے ہڈیوں کے ڈھانچے کو کھال سا رنگ دے کر مشین کے آگے بٹھا دیا گیا ہو۔

ہاں تو یوں ہوا کہ اوپر کی دو منزلیں بیچ کر اماں نے آپا کے شوہر کو کاروبار کے لیے پیسے دے دیے... جمال کے سگے بڑے بہنوئی کو۔ چھوٹی رابعہ کو قسطوں پر

پلاٹ لے دیا۔ وہ قسطیں جمال کو بھرنی تھیں۔ سونے کے کڑے' جھومر۔ ٹیکے بھی اماں نے قسطوں پر حاصل کیے۔ الیکٹرونک کی بڑی چھوٹی چیزیں' جو نچلی چار کو ٹرک بھر بھر دیں وہ سب بھی اتنا سامان دیا کہ سسرالیوں نے اٹھا اٹھا گیلریوں میں رکھا۔

خیر... خیر۔

مشین چلتی رہی۔ کبھی رک جاتی تو منزہ بے چاری یاد دلاتی۔ "تین دن بعد پہلی تاریخ ہے۔ قسطوں والے۔"

ہاں تو وہ اڑتالیس سال کا ہوگیا۔ خاندان میں کسی مرگ' غم' جوگ' سنجوگ نہ نہ گیا' پہلے اماں جاتی تھیں' پھر ابا جانے لگے۔ اب منزہ چلی جاتی۔ میلے ٹھیلے اس پر حرام تھے۔ عید' بقر عید اس پر واجب نہ ہوتی تھیں۔ اس پر ایک ہی فرض تھا۔ اس کا ایک ہی فرض تھا۔ "مشین چلانا۔"

سویرا بڑی ہونے لگی تو ٹھوڑی تلے ہاتھ ٹکا کر اسے دیکھے جاتی۔ ایک دن رونے لگی۔ "میں تھک گئی تجھے دیکھتے دیکھتے ابا۔"

ابا جمال مسکرا دیا' سر جھکا کر کام کرنے لگا۔

ایک دن آئی۔ "آسمان سے برف گر رہی ہے ابا۔"

"کیسی برف؟" اتنے سالوں بعد وہ ٹھنڈا ٹھار ہونے لگا۔

"گول گول موٹی موٹی... چل ابا! برف اکٹھی کریں۔"

"مجھے نہیں کرنی۔" اس کے ہاتھ کانپنے لگے۔ ماہی' ماہی کرتے کسی کا حلق سوکھا... سوکھا ہوا... بنجر پھوٹا۔

"میں نے تو کبھی ایسے برف گرتی نہیں دیکھی۔ چل ابا تو بھی دیکھ لے۔"

جمال نے اپنی بیٹی کا ہاتھ تھام لیا۔ منزہ دہلیز میں کھڑی ژالہ باری دیکھ رہی تھی۔

نیلی گلی سے باہر لال حلوائی کی دکان کے باہر جواب لال کا بیٹا چلاتا تھا۔ سویرا اسے لے کر کھڑی ہوگئی۔ سڑک سفید ہوچکی تھی۔ چھوٹے بڑے خوب مستی

کر رہے تھے۔ آسمان سیاہی میں لپٹا تھا کیا بادل آج نوحہ کناں تھے؟ اس نے آسمان کی طرف دیکھا' اسے سکون نہ ملا۔

سویرا سڑک پر جھکی برف جمع کر رہی تھی۔ اس کے سر پر جمال کھڑا تھا۔

میدے کا بیٹا... آپا کا بھائی... جمیلہ کا خالہ زاد... اور... اور... جمال درزی... ماسٹر... جادوگر۔

جمال درزی نے آسمان کی طرف دیکھا اور پھر سے دیکھا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ آسمان سے برف گر رہی تھی۔ کیا وہ کروبی (اعلا درجے کا فرشتہ) تھا۔ ہاں شاید... نہ ہوتا تو ایسے پھوٹ پھوٹ کر نہ رو رہا ہوتا۔ وہ چوغہ پوش درویش تھا۔ اسے چوغہ پوش درویش ہی رہنے دیا گیا۔

جمال درزی دائم الحبس (عمر بھر کا قیدی) برف برساتے آسمان تلے کھڑا پھوٹ پھوٹ کر رو رہا ہے۔

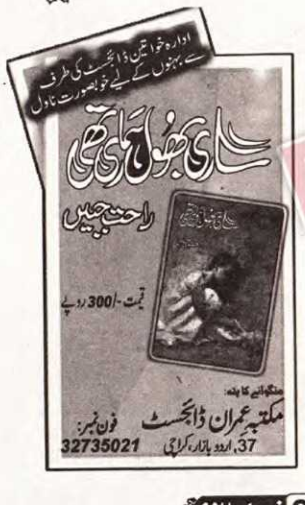

Khawateen Digest February 2014
WWW.READERS.PK
پاکستان ویب اور ریڈرز کی پیشکش